مولانا سید مصباح اللہ شاہ

حضرۃ الاُستاذ

شعبان المعظم ۱۳۷۱ھ میں بندہ موقوف علیہ سے فارغ ہوا تو آئندہ سال دورہ حدیث شریف پڑھنے کے لئے پاکستان کے مدارسِ عربیہ (جن میں دورۂ حدیث پڑھایا جاتا تھا) کے انتخاب کے سلسلہ میں متردد تھا، اگرچہ میلانِ طبع ٹنڈو الٰہ یار سندھ کی طرف کچھ زیادہ تھا۔ اس لئے کہ سنا تھا کہ وہاں بڑے پائے کے محدث اور بزرگ جمع ہوگئے ہیں، اور حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند کی طرح ایک عظیم ادارہ پاکستان میں بنانے کی غرض سے اس جگہ کو منتخب فرما کر مدرسہ کی بنیاد رکھی ہے، اور اسی وقت پورے پاکستان میں ایک ممتاز ادارہ بن گیا ہے۔

میں نے اپنے بعض اساتذہ کرام سے اس سلسلہ میں مشورہ لیا، تو حضرات اساتذہ کرام نے فرمایا کہ: ٹنڈو الٰہ یار سب مدارس سے بہتر ہے، اس لئے کہ اس مدرسہ میں اس وقت دوسرے اکابر محدثین و بزرگانِ دین کے علاوہ حضرت مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری مدظلہ ڈابھیل (ہندوستان) سے تشریف لا چکے ہیں۔ حضرت بنوری (رحمۃ اللہ علیہ) حضرت العلامہ سید محمد انور شاہ صاحب کشمیری نور اللہ مرقدہ کے خصوصی تلمیذ، سفر و حضر کے رفیق و خادم اور ان کے علم کے وارث ہیں، پاکستان میں حضرت بنوری (رحمۃ اللہ علیہ) کا وجود غنیمت اور اللہ تعالیٰ کی نعمت غیر مترقبہ ہے لہٰذا اس مدرسہ کو ترجیح دینی چاہئے۔

چنانچہ میں نے اپنے ایک عزیز معروف شاہ صاحب کی معیت میں شوال المکرّم ۱۳۷۱ھ میں رختِ سفر باندھا اور عازمِ سندھ ہوا، جب ٹنڈو الٰہ یار مدرسہ میں پہنچا تو اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ اللہ تعالیٰ نے مدرسہ میں پہنچنے کی توفیق عطا فرمائی۔ مدرسہ میں موجود طلباء سے ملاقات ہوئی، حالات معلوم کئے اور بعدہ حضرت بنوری کی خدمت اقدس میں حاضری دی، حضرت نے فرمایا کہ: اگر رمضان میں خط لکھ کر مدرسہ کے حالات اور قواعد و ضوابط معلوم کر لیتے تو بہتر ہوتا۔ میں نے عرض کیا کہ: حضرت خط تو لکھا تھا نہ معلوم کیا وجہ ہوئی۔ فرمایا کہ: شاید

خط نہیں ملا' ورنہ جواب ضرور لکھتا۔ اور نہایت شفقت سے تسلی آمیز لہجہ میں فرمایا کہ: انتظار کریں' داخلہ کے امتحان کے بعد اسباق شروع ہو جائیں گے۔ اسباق شروع ہونے تک انتظار کے ایام میں اکثر حضرت مرحوم کی مجلس میں حاضری کی سعادت نصیب ہوتی رہی۔ ان ابتدائی ایام میں حضرت قدس سرہٗ کے حسن و جمال' طہارت و نظافت اور وقار و متانت کا جو نقشہ ذہن میں بیٹھا اور قلبی تعلق اور محبت کا جو لگاؤ حضرت نور اللہ مرقدہٗ کی ذات گرامی سے ہوا' وہ آج تک باقی ہے' اور مرورِ زمانہ سے اس میں زیادتی اور رسوخ ہی ہوا پھر جب داخلہ کے ابتدائی مراحل طے ہوئے اور اسباق تقسیم ہوئے تو معلوم ہوا کہ حضرت کے پاس دورۂ حدیث شریف کے دو سبق بخاری شریف جلد ثانی، اور نسائی شریف علی الترتیب پہلے اور پانچواں گھنٹہ میں ہوں گے۔

تعلیم کا باقاعدہ آغاز ہوا تو حضرت کے درسِ حدیث میں طلبہ بڑے ذوق و شوق سے حاضر ہوتے' حضرت کے درسِ حدیث کی مجلس ہمیشہ باوقار و بارعب ہوتی۔ اور جمال و جلال کا ایسا حسین و جمیل امتزاج ہوتا کہ **ان من البیان لسحراً** کا منظر سامنے ہوتا، اور طلبہ ایسے مسرور و مسحور ہوتے کہ **کان علی رؤسھم الطیر** کا نمونہ بن جاتے، خود میری اپنی یہ کیفیت ہوتی تھی کہ گھنٹہ کے ختم ہونے کا احساس تک نہیں ہوتا تھا' بیان و تقریر میں ایسی لذت محسوس ہوتی کہ اسے ضبطِ تحریر میں لانا مشکل ہے' بلکہ بسا اوقات ایسا بھی ہوا کہ حضرت کے درسگاہ میں تشریف لانے سے قبل طبیعت سستی و کاہلی محسوس کرتی اور آرام کرنے کو جی چاہتا' لیکن جونہی حضرت درس گاہ میں تشریف فرما ہوئے' سبق شروع ہو جاتا، اور حضرت تقریر شروع کرتے تو سستی و کاہلی بالکل ختم ہو جاتی اور طبیعت میں عجیب قسم کی فرحت و انبساط کی کیفیت پیدا ہو جاتی اور ایسا نشاط حاصل ہوتا گویا کہ بالکل تازہ دم ہیں' حتیٰ کہ بعض وہ طالب علم جو کسی دوسرے سبق میں سستی دکھاتے اور غیر حاضری کا مظاہرہ بھی کرتے، حضرت کے درس میں وہ بھی بڑے اہتمام سے حاضر ہوتے' اور اول سے آخر تک حاضر حواس ہو کر تقریر سے مستفید ہونے کی سعی بلیغ کرتے۔ پورے سال میں مجھے یاد نہیں پڑتا کہ کبھی حضرت کی تشریف آوری کے بعد درسگاہ میں پہنچا ہوں گا، ہمیشہ درس گاہ میں پہلے ہی پہنچ جاتا تھا۔ یہی حال باقی طلبہ کا بھی ہوتا تھا، اور یہ سب کچھ حضرت کی مقناطیسی شخصیت اور توجہ اور شفقت کی وجہ سے تھا، حضرت کے درس کے متعلق اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو بس یہ کہ دورانِ درس ایسا محسوس ہوتا تھا، گویا کہ ایک بحرِ ذخار موجزن ہے اور ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر بہہ رہا ہے اور سامعین اپنی اپنی استعداد و ظرف کے مطابق مستفید ہونے کی کوشش کرتے ہیں، اپنی علمی تشنگی اور پیاس کو بجھاتے اور سیرابی حاصل کرتے ہیں اور علوم و معارف کے موتیوں کو اپنے اپنے دامن میں سمیٹنے میں مشغول ہیں، اگرچہ حضرت کی تقریر کو ضبطِ تحریر میں لانا بہت مشکل ہوتا تھا اور جو طلبہ درس کے وقت میں لکھنا چاہتے انہیں کافی وقت کا سامنا کرنا پڑتا، حضرت رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے درسِ حدیث کی چند اہم خصوصیات درج ذیل ہیں:

۱:.....ایک ایک حدیث سے متعلق تمام مباحث تفصیل اور پورے شرح وبسط کے ساتھ بیان فرماتے' ائمہ فقہ کے مذاہب، ان کے دلائل اور وجوہ ترجیح کے بیان میں عدل وانصاف کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے، اور کبھی بھی حد سے تجاوز نہ فرماتے۔ بیانِ مذاہب میں ائمہ عظام کا ذکر غایت احترام اور کمال ادب سے کرتے۔ رجالِ حدیث کے تذکرہ میں ائمہ جرح وتعدیل کے اقوال ذکر فرماتے' روایات کے شذوذ وعلت پر متنبہ فرماتے اور اس سلسلہ میں تعصب مذہبی سے دامن بچاتے ہوئے صحیح موقف بیان فرماتے، اور گاہے گاہے بعض علماء حدیث کے طرز پر اظہار افسوس بھی کرتے، بعض حضرات کی زیادتیوں کا شکوہ بھی کرتے اور کافی وشافی مسکت جوابات بھی مدلل طور سے بیان کرتے، ہر مشکل مقام پر حضرت العلامہ امام العصر الشیخ الشاہ انور رحمہ اللہ کی رائے کا تذکرہ فرماتے' بلکہ ان جملہ امور مذکورہ میں حضرت شاہ صاحب قدس سرہ' کی اتباع کرتے۔

۲:.....جب کسی کتاب کا پہلی بار حوالہ دیتے تو کتاب اور مصنف کا پورا نام ذکر کرتے۔ مثلاً امام بخاری اور صحیح بخاری کا ذکر ان الفاظ میں کرتے۔

مصنف کا نام ''محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ بن بردزبہ۔''

کتاب کا نام:۔**الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ**۔'' اور اس کے ساتھ مصنف کے اجمالی حالات بقدر کفایت اور کتاب کے مزایا اور خصوصیات کا ذکر اس طرز سے کرتے کہ طلبہ کے اندر اتنی بصیرت پیدا ہوجائے کہ ضرورت اور حاجت کے وقت پریشانی نہ ہو' اور طلبہ میں اصل مآخذ کی تلاش وجستجو کی رغبت اور شوق پیدا ہوجائے، اور یہ تلاش آسان وسہل معلوم ہو۔ اور جب حوالہ جات دینا شروع کرتے تو اس کثرت سے حوالہ جات بیان کرتے کہ سامعین کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے، طلبہ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی قوت حافظہ سے اتنے متاثر ہوجاتے کہ آپس میں اظہار تعجب کرتے کہ جب حضرت والا کے حافظہ کا یہ حال ہے تو نہ معلوم حضرت شاہ صاحب قدس اللہ سرہ العزیز کا حافظہ کس بلا کا ہوگا۔

چنانچہ درس میں ایک دفعہ ایک طالب علم نے حضرت والا سے پوچھا کہ حضرت حافظہ کے زیادہ اور قوی ہونے کی کوئی دوا، اور سوء حفظ کا کوئی علاج بھی ہے؟

حضرت والا نے پہلے تو امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے وہ دو اشعار پڑھے جو کہ عام طور سے مشہور ہیں اور پھر اس کے ساتھ فرمایا کہ: برگ گاؤزبان کا سفوف بھی بہت مفید ہے اور ہر طالب علم کو استعمال کرنا چاہئے۔

۳:.....حضرت والا کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ طلبہ اپنی علمی استعداد کو بڑھائیں اور اپنے اندر ملکہ راسخہ کاملہ پیدا کریں.....مشکلات علوم کو سمجھیں، ان کا حل پیش کرسکیں، فرق باطلہ کا رد کرنے پر قادر ہوں، ان کا مقابلہ کرسکیں، وقت کے وہ فتنے جو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف طوفان کی صورت میں ظاہر ہورہے ہیں یا ظاہر

ہو چکے ہیں' انہیں کھلنے کی صلاحیت تحریراً تقریراً اپنے اندر رکھتے ہوں، اس سلسلہ میں طلبہ کو مطالعہ کی ہمیشہ تاکید فرماتے۔ اسباق میں حاضری اور درس کے وقت حاضر حواس ہونے کی طرف توجہ دلاتے، اسباق میں ذرا سی غفلت پر ٹوکتے اور شدید نکیر فرماتے۔

چنانچہ غفلت کے سلسلہ میں ایک مرتبہ ایک عجیب واقعہ پیش آیا جس کا ذکر طلبہ کے لئے شاید ذریعہ عبرت بن سکے، ہوا یہ کہ نسائی شریف میں جب ''حدیث قلتین'' پڑھی گئی تو حضرت نے ایک گھنٹہ مسلسل اس پر مفصل بحث فرمائی، اور جب گھنٹہ ختم ہوگیا تو فرمایا بقیہ بحث انشاء اللہ کل ہوگی اور کوشش کروں گا کہ یہ بحث کل ختم ہو جائے۔ دوسرے دن جب حضرت رحمۃ اللہ علیہ مسند تدریس پر فروکش ہوئے تو ایک طالب علم نے نہایت عجلت کے ساتھ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کی تلاوت کر کے آگے عبارت پڑھنا شروع کردی، سارے شرکائے دورہ حیران و پریشان کہ نہ معلوم اس حماقت کا کیا نتیجہ نکلے گا اور واللہ اعلم حضرت اقدس رحمہ اللہ پر اس کا کیا اثر پڑے گا۔

غصہ سے حضرت والا کا چہرۂ انور بھی متغیر ہوگیا' لیکن حضرت نے بالکل سکوت اختیار کرلیا اور زبان مبارک سے کچھ نہیں فرمایا، اور جب پڑھنے والے نے ایک دو حدیث تلاوت کر کے ذرا سا توقف کیا، جیسا کہ عام طور پر معمول تھا، کہ قاری ایک دو حدیث تلاوت کر کے خاموش ہو جاتا تاکہ حضرت تلاوت شدہ حدیث پر کچھ بیان کریں' لیکن حضرت پھر بھی خاموش رہے، تو قاری نے نیچی نگاہ سے دوسرے رفقاء کو دیکھا تمام ساتھیوں نے گھورتے ہوئے اپنی ناراضگی کا اظہار کیا، اب قاری حدیث کو اپنی غلطی کا شدید احساس ہوا اور ندامت و شرمندگی کے باعث زبان گنگ ہوگئی۔

ادھر حضرت نے غصہ سے فرمایا کہ ''پڑھو! تم بھی تو یہی چاہتے ہو کہ بس عبارت کا سر دھو جائے'' اور فرمایا کہ: یہ تو بہت آسان ہے، کتاب بہت جلد ختم ہو جائے گی۔'' لیکن عبارت پڑھنے والا حیران کہ کیا کرے، اگر پڑھتا ہے تو زبان ساتھ نہیں دیتی اور اگر نہیں پڑھتا تو حضرت کے حکم کی خلاف ورزی ہوتی ہے، اور جب حضرت نے دوبارہ پھر فرمایا کہ پڑھو اب تقریر وغیرہ کچھ نہیں ہوگی تو مجبوراً اس نے کچھ عبارت پڑھنا شروع کی، اس پورے وقفہ میں طلبہ کی پوری جماعت پر سکوت اور درس گاہ میں سناٹا چھایا ہوا تھا' کسی قسم کی کوئی حرکت محسوس نہیں ہو رہی تھی' کسی طالب علم کو کچھ کہنے کی ہمت نہ تھی' بالآخر دس پندرہ منٹ بعد حضرت والا اٹھ کر گھر تشریف لے گئے۔ حضرت کے درس گاہ سے نکلنے کے بعد تمام طلبہ نے قاری حدیث کو ہاتھوں ہاتھ لیا' لیکن وہ صاحب جو پہلے سے اتنے شرمندہ تھے کہ زبان ساتھ نہیں دیتی تھی' اب بڑی ندامت سے تمام رفقاء کے سامنے اپنی غلطی کا اقرار اور اظہار افسوس کیا۔

الغرض سب ساتھیوں نے متفقہ طور سے یہ طے کیا کہ حضرت والا کے در دولت پر حاضر ہو کر معافی کی درخواست کی جائے' چنانچہ چند ساتھی نامزد کر دیئے گئے، اور وہ نامزد جماعت عصر کے بعد حضرت کی قیام گاہ پر

حاضر ہوکر معافی کی خواستگار ہوئی۔

حضرت بالکل خوش تھے، کسی قسم کی ناراضگی کا اثر نہیں تھا، فرمایا کہ: تم لوگوں کے آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ غصہ بالکل ختم ہوگیا ہے، البتہ صبح سبق میں طبیعت پر اثر تھا اور اسی لئے اٹھ کر چلا آیا اور فرمایا کہ: طلبہ میں ایسی غفلت اور ناقدر شناسی میرے لئے ناقابلِ برداشت ہے، خصوصاً جب کہ مقام اتنا اہم ہو اور غفلت کی یہ حالت کہ یہ بھی معلوم نہیں کہ کل کا سبق ابھی ختم نہیں ہوا، بلکہ کچھ بحث باقی ہے۔ بہرصورت حضرت نے ہماری غلطی معاف فرما کر خوشی کا اظہار فرمایا، ہم نے پھر دوبارہ عرض کیا کہ حضرت کل پھر بقیہ بحث قلتین کا اعادہ فرمائیں اور مسئلہ پورا ختم فرمادیں، حضرت اقدس نے بخوشی مان لیا اور مسکرا کر فرمایا، بہت اچھا۔ چنانچہ حضرت کی قیام گاہ سے واپس آکر سب ساتھیوں کو حضرت کے راضی ہونے کا مژدہ سنایا، موجودہ وقت میں بہت سے طالب علم شاید اسے غلطی ہی نہ سمجھتے ہوں، اور نہ اس غلطی کا احساس ہو، لیکن حضرت والا کے نزدیک طلبہ کی ذرا سی غفلت بھی قابلِ مواخذہ ہوتی تھی، اور طلبہ کی تربیت کے لئے اس پر تنبیہ ضرور ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ عبارت کی صحت کا ہمیشہ لحاظ رکھتے تھے اور غلطی پر سخت گرفت فرماتے تھے، حتیٰ کہ بعض طالب علم حضرت کے سامنے عبارت پڑھنے سے گھبراتے تھے اور پڑھنے والا مطالعہ اور محنت کرکے پڑھتا تھا اور ایک دو ساتھیوں کو حضرت کے سامنے عبارت پڑھنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی اور حضرت مزاحاً انہیں ''مرفوع القلم'' بھی کہتے تھے۔

۴:..... حضرت ہمیشہ طلبہ کو اپنے اندر اخلاص پیدا کرنے کی تلقین فرماتے رہتے، اعمال کی اصلاح کی طرف توجہ دلاتے، باجماعت نماز پڑھنے کا اہتمام کراتے، مقصرین کو تنبیہ فرماتے اور سخت گرفت کرتے، بلکہ کئی دفعہ فرمایا کہ: میرے نزدیک غبی صالح افضل ہے ذکی فاسق سے۔ اور اس کے ساتھ طلبہ میں خدمتِ دین کا جذبہ پیدا کرتے، فخر ومباہات اور سمعۃ وریاء سے نفرت دلاتے۔ ابن ماجہ کی حدیث شریف ''من تعلم علماً مما یبتغی بہ وجہ اللّٰہ لایتعلمہ الا لیصیب بہ عرضاً من الدنیا لم یجد عرف الجنۃ یوم القیامۃ'' پڑھ کر طلبہ کو سناتے اور ریاکاری سے ڈراتے، طلبہ میں خدمتِ دین کا عملی جذبہ پیدا فرماتے اور یہ سمجھاتے کہ علم بذات خود مقصود نہیں، بلکہ اصل مقصود رضائے الٰہی، نصرت دین حق اور خدمتِ دین اسلام ہے، اور علم بغیر عمل کے بے کار، غیر مفید، بلکہ بسا اوقات ضرر رساں ہوتا ہے۔ حب جاہ، حب مال بہت برے مرض ہیں، خصوصاً علمائے کرام کے لئے زہرِ قاتل، وبالِ جان، اور ضیاع آخرت ہیں۔ طبقہ علماء میں سے جو لوگ اس برے مرض میں مبتلا ہوجاتے ہیں، ان سے دین کو زیادہ خطرہ ہوتا ہے اور وہ زیادہ نقصان دہ ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان امراض سے سب کو محفوظ ومامون رکھے، اور علمائے سوء کی غلط کاریوں سے دینِ اسلام کو بچائے۔

یہ چند خصوصیات جو میرے ذہن میں محفوظ تھیں، وہ میں نے ذرا تفصیل سے بیان کردیں، ورنہ حضرت

کے درس مبارک کے جملہ محاسن اور سب خصائص کا بیان نہ میرے بس میں ہے اور نہ قلم میں ضبط تحریر کی طاقت۔

دارالعلوم ٹنڈو الٰہ یار میں اکابر محدثین اور بزرگان دین کے جمع ہو جانے سے یہ امید ہو چلی تھی کہ یہ مدرسہ ترقی کے مراحل طے کرتا ہوا واقعی کسی وقت دیو بند کی طرح ایک عظیم الشان دینی درس گاہ بن جائے گا' اور پورے پاکستان میں ایک مرکزی حیثیت اختیار کرلے گا اور وہ طالب علم جو پاک و ہند کی تقسیم کی وجہ سے دیو بند جانے کی استطاعت نہیں رکھتے' وہ دیو بند کی جگہ دارالعلوم ٹنڈو الٰہ یار میں آکر اپنی علمی پیاس بجھائیں گے اور یہاں سے دستارِ فضیلت حاصل کر کے تمام ملک کے اندر خدمت اقامت دین کے لئے پھیل جائیں گے لیکن:

اے بسا آرزو کہ خاک شد

مدرسہ کے قیام کے ابتدائی چند سالوں میں ہی کبار اساتذہ کرام کی مدرسہ سے علیٰحدگی شروع ہوگئی۔ چنانچہ حضرت مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی رحمۃ اللہ علیہ نے مدرسہ چھوڑ دیا، اور ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے، اور اس سے تھوڑا عرصہ بعد حضرت علامہ مولانا سید محمد یوسف صاحب بنوری مرحوم کا مہتمم مدرسہ کے ساتھ اختلاف پیدا ہو گیا جس کی تفصیل کا نہ یہ موقع ہے اور نہ ضرورت۔

حضرت بنوری مرحوم و مغفور نے اصلاح احوال کی ہر ممکن کوشش کی، طلبہ حدیث شریف کو اصلاح کی خاطر دعائے سحری کرنے کی فرمائش بھی کی، جس پر عمل بھی کیا گیا، ارکان شوریٰ کو بھی اس طرف متوجہ کیا مگر کوئی تدبیر کارگر ثابت نہ ہوئی، شاید اللہ تعالیٰ مولانا مرحوم سے کوئی بہت بڑا کام لینا چاہتے تھے اور کسی دوسرے اہم کام کی وجہ سے مولانا کا تعلق مدرسہ ٹنڈو الٰہ یار سے ختم کرنا چاہتے تھے، جیسا کہ بعد کے واقعات وحالات نے یہی ثابت کر دیا، بالآخر اس اختلاف سے مدرسہ اور مدرسین اساتذہ کرام، اور طلبہ سب متاثر ہوئے۔

تاثر مدرسہ وطلبہ

مدرسہ کو تو یہ نقصان پہنچا کہ مدرسہ میں چندہ کی فراہمی کم ہوگئی' جس سے مالی مشکلات پیدا ہوگئیں' اساتذہ وعملہ کی تنخواہوں کی ادائیگی میں دقت کے علاوہ مطبخ کے نظام میں بدنظمی پیدا ہوئی، اور طلبہ کو جو تھوڑا سا نقد وظیفہ ملتا تھا' اس میں بھی کئی کئی ماہ تک متواتر تاخیر ہوتی رہتی، اس سے طلبہ میں بے چینی اور اضطرابی کیفیت کا پیدا ہونا، اور پھر اس کے نتیجہ میں منتظمین مدرسہ سے بعد اور مقاومت کے جذبہ کا پیدا ہونا لازمی امر تھا۔

چنانچہ پورے سال میں اس کی وجہ سے کئی ایک واقعات بھی پیش آئے، بروقت وظیفہ نہ ملنے کا اور اس سے طلبہ میں پیدا شدہ پریشانی کا علاج سوچا گیا کہ جب بھی ایسی صورت پیدا ہو جاتی تو حضرت مرحوم مغفور کے سامنے ساری صورت حال پیش کر دی جاتی اور طلبہ کی پریشانی کا تذکرہ بھی کر دیا جاتا۔

حضرت ساری صورت حال سننے کے بعد اپنی طرف سے رقم کا بندوبست کر دیتے اور پھر اسی دن کمرہ نمبر۱۲ میں تمام طلبہ کو وظیفہ تقسیم کر دیا جاتا، اگر چہ رقم حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف سے ہوتی اور اس سے طلبہ کی گزر اوقات ہو جاتی، اور جب منتظمین مدرسہ کو اس کی اطلاع ملتی تو وہ بھی بامر مجبوری قرضہ وغیرہ سے رقم فراہم کرتے اور کچھ دن بعد طلبہ کو مدرسہ کی طرف سے وظیفہ مل جاتا۔ تو گویا حضرت کی شفقت کی وجہ سے طلبہ کو دوہرا وظیفہ وصول ہو جاتا۔

اسی طرح جب درمیان سال موسم خزاں کے اوائل میں مدرسہ میں بخار کا مرض پھیلا اور ایسا طوفان بپا ہوا کہ کوئی طالب علم اس بخار سے محفوظ نہ رہا، شاید کوئی قسمت والا ہی بچا ہو، ورنہ عمومی طور سے سب طلبہ اس موذی مرض کا شکار ہونا شروع ہو گئے اور روزانہ ہر کمرہ میں کوئی نہ کوئی غریب طالب علم اس مرض کی لپیٹ میں آ جاتا' غریب و نادار طلبہ علاج و معالجہ کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے کئی کئی دنوں تک انتہاء درجہ تیز بخار اور بعض بخار شدید کے ساتھ مرض اسہال میں مبتلاء رہتے، اور اپنے اپنے کمروں میں بے کسی کی حالت میں پڑے پڑے تڑپتے رہتے اور کوئی پرسان حال نہ ہوتا' ان شدید ترین حالات میں فقط اور فقط حضرت بنوری مرحوم و مغفور کی ذات گرامی طلبہ کی تسلی اور اطمینان کا موجب بنتی۔ حضرت کی شفقت' رحمتِ خداوندی کا مظہر بن کر بیمار طلبہ کے لئے سہارا ہوتی' حضرت رحمۃ اللہ علیہ کبھی تو بنفس نفیس اسباق سے فراغت کے بعد کمروں میں جا کر طلبہ کی عیادت کرتے اور علاج کے لئے کچھ رقم عنایت فرماتے' اور کبھی کسی طالب علم کو بھیج کر بیمار طلبہ کے حالات معلوم کراتے اور علاج کی رقم کا بندوبست فرما کر کسی طالب کے ذریعہ خفیہ طریقہ سے رقم تقسیم کراتے اور کسی دوسرے کو بالکل اس کی اطلاع نہ ہوتی۔

چنانچہ ایک دو دفعہ ایسے خفیہ طریقہ سے رقم کی تقسیم حضرت نے راقم الحروف کے ذریعہ بھی کروائی، نہ معلوم اور کتنے طلبہ سے حضرت نے یہ خدمت لی ہوگی' اس لئے کہ یہ طریقہ بالکل خفیہ تقسیم کا طریقہ تھا اور طلبہ بھی ایک دوسرے کے سامنے اس کا ذکر کرنے سے احتراز کرتے، کیونکہ حضرت قدس سرہ' کا منشا یہی ہوتا تھا۔

تاثر اساتذہ

اساتذہ کرام ہر مدرسہ کے لئے ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں' وہی مدرسہ کی شہرت و ترقی کا سبب بنتے ہیں، مدرسہ کی کامیابی انہی کی مرہونِ منت ہوتی ہے، طلبہ کی دور دور سے آمد کا ذریعہ اور واحد ذریعہ وہی ہوتے ہیں، اگر کسی مدرسہ کے قابل و ماہر اور مخلص و دیانت دار اساتذہ کرام مدرسہ سے نکلنا شروع ہو جائیں تو اس سے مدرسہ کو بجائے عروج و ترقی کے پستی و تنزل حاصل ہوتا ہے، مدرسہ کی شہرت کو نقصان پہنچتا ہے اور طلبہ بھی راہ فرار اختیار کرنا

شروع کر دیتے ہیں، چنانچہ یہاں بھی ایسا ہی ہوا کہ بعض اساتذہ کرام جیسا کہ مولانا عبدالرشید صاحب نعمانی، مولانا سعد حسن صاحب ٹونکی مرحوم تو درمیان سال میں استعفیٰ دے کر چلے گئے اور کچھ حضرات اساتذہ کرام نے سال تو پورا کیا، مگر آئندہ سال مدرسہ سے علیٰحدگی اختیار کرلی، جیسا کہ مولانا عبدالجلیل صاحب وغیرہ نے کیا۔

حضرت مولائی ومرشدی وسیدی مولانا عبدالرحمٰن صاحب کامل پوری شیخ الحدیث دارالعلوم ٹنڈوالہ یار جو کہ حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی قدس اللہ سرہ العزیز کے خلیفہ اجل تھے اور اپنی بزرگی، وقار ومتانت اور علمی مرتبہ ومقام کی وجہ سے ایک ممتاز حیثیت کے مالک تھے، پورے مدرسہ پر ان کا خاص اثر تھا اور ہر شخص ان کا غایت درجہ احترام کرتا تھا، طلبہ تو گویا حضرت کے عاشق تھے اور حضرت کی خوشی حاصل کرنے کو سعادت دارین سمجھتے تھے، انہوں نے بھی حضرت بنوری مرحوم کی حمایت کرتے ہوئے مقدور بھر اصلاح حال کی کوشش کی، لیکن جب کچھ نتیجہ نہ نکلا تو حضرت بھی مایوس ہوگئے، چنانچہ رمضان مبارک کی تعطیلات میں اپنے وطن تشریف لے گئے اور وہاں سے استعفیٰ بھیج دیا اور مدرسہ سے علیحدگی اختیار کرلی۔

اور کچھ عرصہ بعد یعنی چند ماہ بعد حضرت بنوری نور اللہ مرقدہ بھی مدرسہ سے قطع تعلق کرکے کراچی تشریف لے آئے اور چند ماہ ایک دوسری جگہ قیام فرمایا، مگر اس کے بعد مستقل طور پر مسجد نیوٹاؤن میں رونق افروز ہوئے، اور اخلاص وتقوے، تعلق مع اللہ، عشق رسول اللہ ﷺ، متعدد استخارات، خصوصاً ''حرمین شریفین زادہما اللہ شرفاً وکرامۃ'' کے استخارات، اور اندھیری راتوں کی تنہائیوں میں مانگی ہوئی دعاؤں کے ساتھ مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن کراچی کی بنیاد رکھی، اور کچھ زریں اصولوں کی روشنی اور چند مخلص رفقاء کی معیت میں کامل بے سروسامانی کے ساتھ توکلاً علی اللہ کام شروع کردیا، مشکلات ونامساعد حالات کا مقابلہ کرتے ہوئے مدرسہ کی ترقی وعروج کے لئے کوشاں رہے، چنانچہ چند سالوں میں مدرسہ ایک عظیم ادارہ اور جامعہ بن گیا، اور پاکستان اور بیرون پاکستان میں اپنے قواعد وضوابط، خصوصی معیارِ تعلیم اور اجراء درجات تخصص کی وجہ سے اس قدر شہرت پذیر ہوا کہ آج مدرسہ میں نہ صرف پاکستان، بلکہ ارض پاک مدینہ منورہ، حجاز مقدس، امریکہ، افریقہ، یورپ، مشرق وسطیٰ تا شرق بعید کے طلبہ تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے لئے جوق درجوق آتے ہیں، اور ادارہ اپنی شہرت وعظمت کے لحاظ سے ''اصلها ثابت وفرعها فی السماء'' کا منظر پیش کر رہا ہے۔ مدرسہ کی اس قدر عظمت ومقبولیت کے متعدد اسباب تھے، ان میں سب سے پہلا اور اصل سبب حضرت والا کا اخلاص وتقویٰ، تعلق مع اللہ تعالیٰ، حضور اکرم ﷺ ''فداہ ابی وامی'' کے ساتھ عشق ومحبت تھی۔

چنانچہ حضرت والا کا یہ مقولہ کہ ''یہ مدرسہ حضور اکرم ﷺ کا ہے، ہم تو خادم ہیں۔'' سب کے کانوں میں آج بھی سنائی دے رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک پر یقین واعتماد کا یہ حال تھا کہ مدرسہ کے مصارف جو کہ لاکھوں تک پہنچ

چکے تھے‘ان کے لئے حضرت نے مروجہ طریقوں میں سے کبھی بھی کوئی طریقہ اختیار نہیں کیا، نہ سفیر نہ اپیل، نہ اشتہار، نہ تحریر، چنانچہ ۱۹۶۸ء، ۱۳۸۸ھ کے رمضان مبارک میں جب حضرت والا عمرہ کے لئے جانے لگے تو راقم الحروف نے عرض کیا کہ حضرت آپ تو عمرہ کے لئے جارہے ہیں اور مدرسہ کے لئے چندہ جمع ہونے کا یہی مہینہ ہے‘ اگرچہ مدرسہ کی طرف سے کوئی اپیل وغیرہ نہیں ہوتی‘ لیکن پھر بھی آپ کے مدرسہ میں موجود ہونے کا اثر پڑتا ہے۔

اس پر حضرت والا نے حضور اکرم ﷺ کے جدامجد کا وہ مشہور مقولہ جو آپ نے حاکم یمن ”ابرہہ“ کے سامنے کہا تھا“ سنایا۔ کہ ”ان للبیت ربا یحمیہ“ (اس گھر کا مالک اس کی حفاظت خود کرلے گا) اور تشریف لے گئے‘ اور واقعی اس گھر کے مالک نے ہمیشہ مدرسہ کی جملہ ضروریات کی کفالت فرمائی اور اسے جملہ حوادثات سے مامون ومحفوظ رکھا۔

دوسرا اہم سبب:......اساتذہ کرام ورفقائے عظام کا تعاون، تعلیمی امور میں مہارت، مدرسہ کے ہر خادم کا اپنے کام سے عشق اور لگن اور حضرت والا کی ذات گرامی کے ساتھ غایت درجہ تعلق ومحبت تھی‘ جس کی وجہ سے اساتذہ کرام ہر معاملہ میں حضرت سے رہنمائی حاصل کرتے، حضرت کی خواہش کے مطابق دل وجان سے عمل کرتے، ہمیشہ حضرت والا کی رائے کا احترام کرتے ہوئے ہر بات میں ظاہر وباطن سے موافقت کرتے اور پھر اپنے طرز عمل سے حضرت کی دعاؤں سے مالا مال ہوتے رہتے، حضرت والا بھی اپنے رفقاء وخدام کی قدر کرتے، تمام اہم امور میں اساتذہ کرام سے مشورہ کرتے اور پھر ان مشوروں کے مطابق اپنی پالیسی طے کرتے، حضرت کو اپنے مدرسہ کے اساتذہ کرام پر بڑا اعتماد تھا اور مختلف مواقع پر اس کا اظہار بھی فرماتے تھے۔ چنانچہ کئی مرتبہ حضرت نے فرمایا کہ ”میرے اکثر رفقاء نے یہ عہد کیا ہے کہ تاحیات ہر حال میں مدرسہ کی خدمت کریں گے‘ تنخواہ ملے یا نہ ملے“ اور یہ بھی فرمایا کہ ”موجودہ دور میں مدارس میں تنخواہ کے اضافہ کے لئے درخواست کا رواج تو ہے‘ لیکن تنخواہ کے کم کرنے کا رواج نہیں، لیکن بحمداللہ تعالیٰ میرے رفقاء نے ایسی روایت بھی قائم کردی ہے۔“

اور اس ضمن میں حضرت مفتی ولی حسن صاحب مدظلہ کا ذکر کرتے تھے‘ ان وجوہات کی بنا پر مدرسہ میں اتفاق واتحاد اور باہمی تعاون واعتماد کی ایسی فضا قائم رہی جو مدارس میں بمشکل کہیں موجود ہوگی‘ اور الحمدللہ کہ یہ فضا آج بھی قائم ہے‘ اور اللہ تعالیٰ اسے ہمیشہ باقی رکھے، انہی امور کی وجہ سے مدرسہ آج بنیانِ مرصوص بن چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ تاقیامت علمِ دین اسلام کے اس مرکز کو تمام خارجی وداخلی فتنوں سے محفوظ فرماکر قائم ودائم رکھے اور حضرت والا کو جنت الفردوس میں اپنی رحمت کے سائے میں مقام اعزاز عطا فرمائے اور ہم سب خدام کو بھی تمام فتنوں سے محفوظ ومامون فرمائے اور خدمتِ اشاعت دینِ اسلام کے لئے قبول فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔